گل خان

فرح ریاض

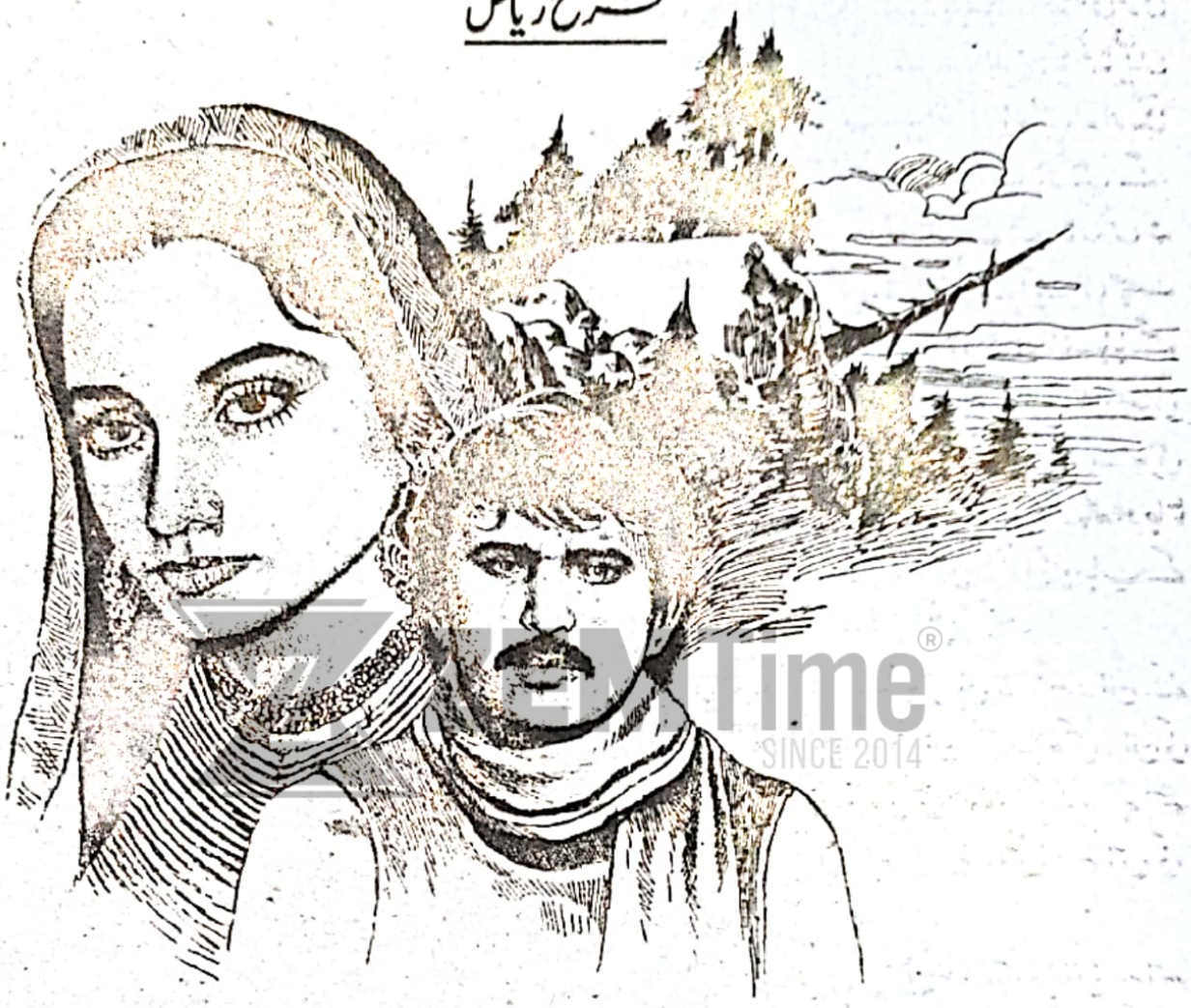

موسم بہار ہر سو چھایا ہوا تھا۔ پہاڑوں پر جمی برف دھیرے، دھیرے پگھل رہی تھی اور نیچے سے صاف، خوب صورت، چمکتے ہوئے پہاڑ نمودار ہو رہے تھے۔ بل کھاتی سڑکیں اور ہری بھری پگڈنڈیاں بھی دھیرے، دھیرے خوشنما نظر آ رہی تھیں۔ سیاحوں کا رش اب اعتدال میں تھا کیونکہ ملکۂ کوہسار کی برف کافی کم ہوگئی تھی۔ صبح، صبح چھوٹے، بڑے جوان، بوڑھے سبھی سیر کو نکلتے.....اور سیر ہی تو ان چاق و چوبند لوگوں کی تندرستی کا راز ہے۔

اسی خوب صورت وادی کے ایک پہاڑ پر گل خان کا بے حد خوب صورت مگر چھوٹا سا گھر تھا۔ یہ گھر پہاڑ کے نشیبی حصے میں تھا۔ گل خان نیلی آنکھوں، گلابی رنگت اور بے حد گھنی مونچھوں والا چاق و چوبند انسان تھا۔ لیکن اس کی تمام تر تندرستی اور چستی اس وقت کم ہونا شروع ہوگئی جب اس کی پری جمال محبوب بیوی نور بانو اسے دنیا میں اکیلا چھوڑ گئی۔ نور بانو کی جدائی کا صدمہ اسے بستر تک لے آیا۔ بیوی کو بچھڑے اگرچہ پندرہ سال ہو چکے تھے۔ بظاہر اسے کوئی خاص بیماری نہ تھی بس خود کو بستر تک محدود کر کے گھٹن کی بیماری کو اپنے اوپر اوڑھ لیا تھا۔ ستر سال کی عمر تک کے پہاڑی لوگ تندرست و توانا اور چاق و چوبند رہتے ہیں۔ وہ اپنے دو بیٹوں اور بہوؤں کے ساتھ رہتا تھا۔ بیٹوں نے لاکھ جتن کیے لیکن اپنے بابا کو گھر کی دہلیز پار نہ کروا سکے۔ ایک موٹے چشمے والی ڈاکٹرنی ہر ہفتے معائنے کے لیے آتی اور علاج میں صرف صبح کی سیر کا نسخہ لکھ کر چلی جاتی۔ گل خان کا بڑا پوتا جس کی عمر 12 سال تھی ڈاکٹر صاحبہ کا بھاری بھرکم بیگ اٹھائے انہیں دروازے تک چھوڑنے آتا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مری میں آمد و رفت کا

www.zemtime.com
ZEMTime SINCE 2014

سلسلہ بہت کم تھا..... اِکا دُکا لاریاں چلتی تھیں۔ وہ بھی زیادہ تر سیاحوں سے بھری ہوتیں..... مقامی لوگ دور دراز مقامات تک جانے کے لیے بھی اپنے قدموں پر ہی انحصار کرتے۔

آج حسبِ معمول گل خان کے دونوں بیٹے اپنی خشک میوہ جات کی دکان پر جا چکے تھے۔ دونوں بہویں کام کاج میں مشغول ہوگئیں..... چھوٹی بہو اپنے سسر کے لیے دنبے کا گوشت بھون رہی تھی کہ اچانک گل خان کو کھانسی کا شدید دورہ پڑا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ بڑی بہو کپڑے دھو رہی تھی۔ کھانسی کی آواز سن کر دونوں بھاگتی ہوئی آئیں۔ صحت افزا ہوا میں سانس لینے والے ان خوب صورت لوگوں کے لیے کھانسی بھی کسی بڑی بیماری سے کم نہیں ہوتی۔ بڑا پوتا بھاگم بھاگ ڈاکٹر صاحبہ کو بلا لایا۔

''کھانسی تو بہت شدید ہے، پھیپھڑوں کو نقصان ہوسکتا ہے، ابھی تو بڑے میاں صرف کھانسی سے پریشان ہیں اگر یونہی تاریک کمرے میں بوسیدہ چارپائی سے چپکے رہے تو اور بھی موذی امراض لاحق ہوسکتے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحبہ کی بات سن کر گھر والے پریشان ہوگئے۔

ڈاکٹر صاحبہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بڑے میاں کو گھر کی چوکھٹ کیسے پار کروائی جائے۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ ان کھلی سرسبز و شاداب وادیوں میں سیر کریں گے تو دوبارہ سے زندگی کی طرف لوٹ آئیں گے۔ ڈاکٹر صاحبہ ہر طرح کے اکھڑ اور ضدی قسم کے مریضوں سے اچھے انداز میں نمٹ چکی تھیں اور وہ صحت یاب ہوچکے تھے۔ انہوں نے گل خان کی حالت کو بغور دیکھا۔ نیم تاریک سا کمرا، جہاں وہ کسی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اپنی مرضی سے رہ رہا تھا۔ پرانی چارپائی پر ملگجا سا بستر، کمرے میں تازہ ہوا گزرنے کا کوئی جھروکا تک نہیں تھا۔

''بڑے میاں کی زندگی سے رنگ اڑ گئے ہیں۔'' ڈاکٹر صاحبہ نے خود کلامی کی۔

''جی کچھ کہا آپ نے؟'' بڑی بہو ٹھیک سے سن نہیں پائی۔

''میں تو کب سے بابا جان سے کہہ رہی ہوں کہ باہر نہیں جانا تو نہ سہی کم سے کم وقت پر نہا ہی لیا کریں لیکن یہ کسی کی کہاں سنتے ہیں۔'' بہو نے شکوہ کیا۔

''تم سب لوگ آفریں میرے پیچھے پڑے ہو..... مجھے نہانا ہے اور نہ ہی کسی وادی میں گھومنا ہے..... جاؤ تم سب یہاں سے۔'' گل خان تنہائی کے ساتھ چڑچڑے پن کا بھی شکار ہوگیا تھا۔

دونوں باہر آگئیں.....

''دیکھا آپ نے، بابا جان کسی کی نہیں سنتے۔'' بڑی بہو نے آزردگی سے کہا۔

''فکر نہ کریں، سب کچھ اپنے آپ ہوجائے گا۔'' ڈاکٹر صاحبہ انہیں تسلی دیتے ہوئے چلی گئیں۔

☆☆☆

چند دنوں کے بعد ڈاکیا ایک تار لایا..... جس کے لفافے پر موٹے، موٹے الفاظ میں لکھا تھا ''صرف گل خان کے لیے'' گل خان کا پوتا لفافہ ہاتھ میں لیے اپنے دادا کے کمرے میں دوڑتا ہوا آیا۔

''دادا جان آپ کے لیے کسی کا خط آیا ہے۔''

''کیا..... میرے لیے خط آیا ہے.....؟ مجھے کون خط لکھے گا..... دوبارہ پڑھ کسی اور کا نام ہوگا۔''

''دادا جان آپ خود دیکھ لیں۔ آپ کا ہی نام ہے..... ''صرف گل خان کے لیے۔'' پوتے نے لفافہ گل خان کی دھندلائی ہوئی آنکھوں کے آگے کردیا..... اسے الفاظ پانی میں تیرتے ہوئے محسوس ہوئے۔ نحیف ہاتھوں سے اپنے تکیے کے نیچے سے موٹے عدسے والا چشمہ نکالا، آنکھوں پر لگایا اور سب روشن ہوگیا۔

گل خان لفافہ کھول رہا تھا اور پوتا پاس کھڑا ایسے دیکھ رہا تھا جیسے چاکلیٹ کھل رہی ہو۔

''دادا جی میں آپ کی مدد کروں.....؟''

''نہیں، رہنے دو، تم نے پڑھا نہیں لکھا ہے..... صرف گل خان کے لیے..... میں خود کھول لوں گا.....'' بالآخر لفافہ کھلا اور خط اب گل خان کے ہاتھ میں تھا۔ خط کے مضمون سے ناواقف اس نے پہلا جملہ بلند آواز میں پڑھا۔ ''پیارے گل خان، خط اکیلے پڑھنا۔'' جب یہ جملہ پوتے کے کانوں میں پڑا تو وہ دو قدم اور آگے ہوگیا۔

''دادا جان کس کا خط ہے، کیا لکھا ہے اس میں؟''

گل خان جو کہ پہلی عبارت پڑھ چکا تھا اب اسے تجسس ہو رہا تھا کہ آخر اس میں ایسا کیا ہے کہ اسے اکیلے ہی پڑھنا ہے۔ اس نے اپنا چشمہ تھوڑا سا نیچے سرکایا اور اپنی موٹی، موٹی نیلی آنکھوں سے پوتے کو بغور دیکھا۔

''جاؤ جا کر پڑھائی کرو.....'' پوتا وہاں سے الٹے پاؤں بھاگا..... لیکن سارے گھر میں اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔ گل خان نے کنڈی لگائی اور اطمینان سے پڑھنے بیٹھ گیا۔

www.zemtime.com

"پیارے گل خان!
کیسے ہو؟ مجھے پتا چلا تم آج کل ٹھیک نہیں رہتے، کھانسی بھی شدید ہے، یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے، پچھلے سال جب تم عید کی نماز پڑھنے گھر سے نکلے تھے تب تم پر نظر پڑی اور آج تک تمہیں بھلا نہیں پائی۔ ہر وقت میری نظریں تمہارے گھر کے دروازے پر گڑی رہتی ہیں، روز صبح چہل قدمی کرتے ہوئے تمہارے گھر کے سامنے سے اندر جھانکتے ہوئے گزرتی ہوں کہ شاید تم نظر آجاؤ..... لیکن نہ جانے گھر کے کس دڑے میں قید ہو کبھی جھلک بھی نہیں دکھائی۔ تمام حالِ دل اس مختصر سے خط میں بیان نہیں ہو سکتا..... بروز پیر تمہارے گھر کی پچھلی وادی میں صنوبر کے درخت کے نیچے مجھ سے آکے ملو..... میں نارنجی رنگ کے لباس میں آؤں گی..... تمہارا انتظار رہے گا۔

تمہاری نور افروز"

"اس عمر میں اتنا رومانوی خط..... بھلا کون بھیج سکتا ہے..... کسی نے مجھ سے مذاق تو نہیں کیا....." گل خان نے مشکل سے خود کو سنبھالا۔

"نہیں، نہیں ایسا مذاق کوئی کیوں کرے گا۔ نام ہے نور افروز....." بڑے میاں نے نام دوبارہ غور سے پڑھا۔

"نام تو میری محبوب بیوی سے ملتا جلتا ہے۔ نور افروز تو میری کوئی پڑوسن بھی نہیں۔" اس نے ذہن پر زور دیا پر کوئی چہرہ خیالوں میں نہ ابھرا..... دھیمے، دھیمے قدموں سے اٹھ کر اپنا پرانا سا لوہے کا ٹرنک کھولا۔ اپنے تین، چار جوڑے الٹ پلٹ کیے اور وہ جوڑا نکالا جو پچھلی عید پر پہنا تھا۔ لاٹھی کا آسرا لیے اپنے تاریک کمرے سے باہر روشن برآمدے میں آیا۔ دونوں بہوئیں پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اپنے سسر کو دیکھنے لگیں کہ یہ کیا کرشمہ ہو گیا آج خود ہی کمرے سے باہر نکل آئے۔ چھوٹی بہو کو کپڑے استری کرنے کو کہا اور بڑی بہو سے کہا، گرم پانی کا بندوبست کرے، آج وہ تازہ دم ہو کر سوئیں گے۔ صبح ٹھنڈ میں نہانا بوڑھی جان کو موزوں نہ لگا۔ صبح سیر کا پروگرام سن کر تو گھر والوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ بڑی بہو کو کچھ کھٹکا، پانی کی مٹکی چولھے پر رکھتے ہی بابا جان کے کمرے کا رخ کیا۔

"خط میں ایسا کیا تھا کہ بابا جان میں اتنا بڑا انقلاب آگیا۔" خود کلامی کرتے ہوئے بہو نے چھوٹا سا سارا کمرا ٹٹول لیا۔ لیکن خط نہ ملا۔ کیسے ملتا۔ خط تو بڑے میاں اپنی جیب میں ڈالے دل سے لگائے بیٹھے تھے۔ بالآخر بڑے میاں گرم پانی سے نہا کر اپنے گرم نرم بستر میں گھس گئے۔ رات تقریباً آنکھوں میں کٹی۔ کئی بار خط پڑھ چکے تھے۔ نیند کا غلبہ ہو رہا تھا۔

"یہ نارنگی رنگ کون سا ہوتا ہے....." سوچتے، سوچتے نیند نے آلیا۔

☆☆☆

علی الصباح فجر کی نماز پڑھی..... عید والا نیا جوڑا پہنا..... کستوری لگائی، موٹے عدسے والا چشمہ لگانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ پر چار و ناچار لگانا پڑا۔ اس کے بغیر کچھ ٹھیک سے دکھائی نہ پڑتا تھا تو نارنگی رنگ کیسے دکھتا۔ گل خان بوڑھا ضرور ہو گیا تھا پر بال اب بھی جاندار اور گھنے تھے۔ خوش پوش ہو کر گھر سے باہر کرسی پر آبیٹھا۔ گھر کا ہر فرد مجسمۂ حیرت بنا باری، باری اپنے والد کو دیکھتا اور اندر چلا جاتا..... بہوئیں کانوں میں کچھ پھسپھساتیں اور بیٹے بار، بار اپنے باپ کے خوشبودار حلیے کو غور سے پرکھتے..... خیر سب اس بات پر خوش تھے کہ جیسے تیسے وہ گھر سے باہر تو نکلے..... گل خان کو سورج کے مکمل اُگنے کا انتظار تھا تاکہ وہ اپنی حسین منزل تک پہنچ سکیں..... جیسے ہی سویرا مزید روشن ہوا وہ اپنی لاٹھی کو ٹیکتے ہوئے خراماں، خراماں چل پڑے۔

"اب تو مجھے رنگوں کی پہچان بھی نہیں رہی۔ نارنگی رنگ کیسے پہچانوں گا....." خود کلامی کرتے ہوئے گل خان وادی کے وسط میں پہنچ گیا۔ ایک لمبے عرصے بعد چلنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لیے بار، بار رک کر سانس بحال کرنا پڑی۔ آخر کار بیٹھنے کے لیے ایک پُرسکون سی جگہ مل ہی گئی۔ لاٹھی پر دونوں ہاتھ جمائے گل خان بار، بار چشمے کے عدسے کو صاف کرتا اور ہر آتے جاتے کو دیکھتا۔ ابھی تک کوئی نسوانی آواز کانوں میں نہیں پڑی تھی۔ جیسے، جیسے دن جوان ہوتا گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوتی گئی۔ عورتیں بھی نظر آنا شروع ہو گئیں..... بڑے میاں کا چہرہ شرم سے لال گلابی ہوتا جا رہا تھا۔

"نہ جانے نور افروز کون سی ہے.....؟" سرسری سی نظر ہر عورت پر ڈالتا اور پھر ڈرتے ہوئے نظریں جھکا لیتا کہ کوئی تاڑنے پر جھاڑ نہ پلا دے۔ گل خان کبھی بے چینی میں مشرق کو چل پڑتا اور کبھی مغرب والی پہاڑی سر کرنے کی ناکام کوشش ہوتی..... انتظار کرتے، کرتے اور ٹہلتے، ٹہلتے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ بالآخر ایک حسین و جمیل عورت نظر آئی

www.zemtime.com

اور اتفاق سے اس نے نارنگی رنگ کا جوڑا ہی زیب تن کیا ہوا تھا۔ لیکن شومئی قسمت کہ گل خان کو لال، نیلے کے سوا کسی رنگ کی پہچان نہ تھی۔ آواز دے کر بلانا مناسب نہ سمجھا تو خود لاٹھی ٹیکتے ہوئے کپڑوں کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے اس کے پاس جا پہنچا جو سرسبز گھاس پر بیٹھے کالا چشمہ لگائے سہانے موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ گل خان نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور نہایت ادب سے مخاطب ہوا۔

''محترمہ! کیا آپ بتا سکتی ہیں یہ نارنگی رنگ کون سا ہوتا ہے؟''

محترمہ جو نارنگی لباس میں ہی ملبوس تھیں۔ انہوں نے بڑے میاں کو ایسے دیکھا جیسے انہوں نے شادی کی آفر کر دی ہو..... وہ خوب صورت حسینہ تلملاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ چشمہ اتارا، خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''ٹھرکی بڈھا!'' اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ گل خان بہت شرمندہ ہوا، اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کسی نے دیکھا تو نہیں اور گھر کی راہ لی۔ وہ نور افروز کی تلاش میں گھر سے کافی دور آ گیا تھا۔ ہانپتے کانپتے گھنٹے بھر میں گھر پہنچا..... پوتے نے دادا کو پسینے میں بھیگا دیکھا تو پانی لے آیا۔ آج بڑے میاں نے لمبے عرصے بعد پسینہ بہایا تھا۔

''بیٹا..... تمہاری کتاب میں رنگوں کے نام لکھے ہیں...'' رات کو جب بچے پڑھنے بیٹھے تو بڑے پوتے کی کتاب پکڑ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ پوتا جو کہ اب چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، بولا۔

''دادا جان رنگوں کے نام چھوٹی جماعت میں سکھاتے ہیں۔'' دادا خاموش ہو رہے، رات ہو گئی تو اپنے کمرے میں چلے گئے..... کئی بار خط کو غور سے پڑھا۔

''اس نے تو پیر کو ہی ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن کس پیر کو ملے گی یہ نہیں لکھا..... ہو سکتا ہے اگلے پیر کو ملنے آئے.....'' گل خان خود کو تسلی دیتے ہوئے گہری نیند سو گیا، آج تھکاوٹ جو بہت ہو گئی تھی۔ ساری رات خراٹے لیتا رہا کافی چین کی نیند آئی۔

اگلی صبح بروز منگل گل خان حسبِ معمول نمازِ فجر کے لیے اٹھا۔ نماز کے بعد واپس کمرے میں جانے لگا لیکن دل نے پیروں میں زنجیر ڈال دی۔ اور انہی قدموں پر پلٹا، آج خلافِ معمول اپنے لیے چائے خود بنائی اور اپنے گھر کے باہر کرسی پر بیٹھ کر ٹھنڈ میں گرم چائے کا مزہ لینے لگا۔

''شاید نور افروز مجھے یہاں بیٹھا دیکھ لے اور معذرت کرنے آ جائے کہ کل وہ مجھ سے ملنے نہیں آ سکی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ روز میرے گھر کے سامنے سے گزرتی ہے۔ لیکن ابھی تو سورج بھی نہیں جاگا وہ کیسے جاگے گی۔'' طویل خود کلامی کے بعد گل خان نے چائے کا کپ خالی کیا اور گھر کے اندر چلا گیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر گھر میں ٹہلتا رہا۔ پر دل سے رہا نہ گیا اور چھوٹے، چھوٹے قدم بھرتے ہوئے پھر چل پڑا اور اسی وادی میں جا پہنچا جہاں کل ایک حسینہ نے جھاڑ پلائی تھی۔ گزشتہ واقعے سے خوفزدہ ہو کر آج بڑے میاں..... دوسرے پہاڑ پر بلندی پر جا بیٹھے..... ہر آتے جاتے پر نظر رکھتے..... پر گل خان پر کسی نے نظر نہ ڈالی۔ آج پھر مایوسی ہوئی پھر گھر کو لوٹ گئے۔ بے حد ہانپتے ہوئے، پسینے میں بھیگے ہوئے، گھر کے باہر کرسی پر آ بیٹھے۔ چند دن اور اسی طرح لاحاصل گزر گئے۔ گل خان روز ایک نئی وادی اور نئی پہاڑی کی سیر کر کے آتا لیکن نور افروز نہ آتی۔ کچھ، کچھ مایوسی چھانے لگی تھی۔

''لگتا ہے کسی نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے..... اگر واقعی مذاق کیا ہے تو کیا خوب ہے.....'' گل خان مسکرا دیا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگا لیکن اب اسے کمرے میں گھٹن محسوس ہوتی۔ ان چند دنوں کی سیر نے اسے تازہ دم اور چاق و چوبند کر دیا تھا۔ وہ پھر باہر کو پلٹا اور باہر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ قدرت کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ڈاکیا پھر سے ایک اور خط لے آیا۔

''صرف گل خان کے لیے.....'' پہلے کی طرح درج تھا۔

گل خان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ..... جھٹ سے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

''پیارے گل خان، نہ ملنے کی معذرت چاہتی ہوں۔ تمہیں ملنے کے لیے بلایا اور خود وقت پر نہ آ سکی۔ دراصل میں بہت بیمار ہو گئی تھی لیکن تم فکر نہ کرنا، اب میں بالکل تندرست ہوں۔ آنے والے پیر کو چھوٹی پہاڑی پر بہادر خان کے ٹی اسٹال پر ملوں گی۔ سرخ لباس میں، ضرور آنا۔

تمہاری نور افروز''

گل خان کی تو باچھیں کھل گئیں۔ اب تو خود کو اور بھی چاق و چوبند اور توانا محسوس کرنے لگا تھا۔ خوشی کا یہ عالم تھا کہ لاٹھی کرسی کے ساتھ ہی لگی بھول گیا اور ایک بانکے جوان کی طرح گھر کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ گھر والے اپنے والد کی اس تبدیلی پر

www.zemtime.com

حیران بھی تھے اور بے حد خوش بھی..... وہ سمجھ نہ پائے کہ آخر ایسا کیا جادو چل گیا کہ چند دنوں میں کایا ہی پلٹ گئی۔ ان کے والد جو گھر کی دہلیز پار نہ کرتے تھے، اب وادی، وادی گھومتے تھے۔ خیر..... وجہ جو بھی تھی گھر والے بے حد خوش اور مطمئن تھے۔

☆☆☆

گل خان کا وقت نہیں کٹ رہا تھا۔ جیسے تیسے کر کے پیر کا روز آیا۔ وہ نہا دھو کر کلف لگا استری والا جوڑا پہن کر کستوری لگا کر گھر سے نکل پڑا۔ آج تو توانائی۔ اتنی تھی کہ خلافِ معمول لاٹھی گھر پر چھوڑ دی۔ پہاڑی پر ایک، ایک قدم چڑھتے ہوئے دل کی دھڑکن بڑھتی گئی۔ پہاڑی پر پہنچتے ہی چائے کی خوشگوار خوشبو اپنی طرف کھینچنے لگی۔ بلندی سے وادیوں کا نظارہ دیکھنا، کتنا دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ گل خان کو یہ نظارہ اپنی مرحوم بیوی کے ساتھ دیکھے ایک مدت گزر چکی تھی..... دور ٹی اسٹال پر ایک خاتون سرخ لباس میں ملبوس اپنے ریشمی لمبے بال کھولے ہوئے دوسری طرف چہرہ کیے بیٹھی ہوئی تھی۔

''یہی ہے نور افروز.....'' گل خان کے دل سے صدا آئی۔ وہ دل تھام کے آگے بڑھنے لگا۔ ایک، ایک قدم بھاری ہو رہا تھا۔ آخر وہ گھڑی آن پہنچی..... جب دونوں کی نظریں مل ہی گئیں۔

نور افروز نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے، گل خان کو اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سامنے چائے کے دو کپ پڑے ہوئے تھے۔ لیکن گل خان کی تو ہنسی غائب ہی ہو گئی تھی۔ اس کے اندر تو بیٹھنے کی ہمت بھی نہیں بچی تھی۔ گل خان کو لگا کہ وہ پھر غلط جگہ آ گیا ہے۔ وہ ابھی جانے کو ہی تھا کہ آواز نے روک لیا۔

''کہاں چل دیے، میں ہی نور افروز.....'' گل خان کو اپنی سماعت پر شک ہو رہا تھا۔

''لیکن آپ تو.....'' وہ بمشکل پلٹا اور بولا۔

''جی میں آپ کی ڈاکٹر.....'' ڈاکٹر صاحبہ نے جملہ مکمل کیا..... ''میں ہی نور افروز ہوں، آیئے بیٹھیے.....'' آخر کار گل خان کو بیٹھنا ہی پڑا۔

''جی سنایئے..... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی..... ماشاء اللہ پہلے سے کافی بہتر لگ رہے ہیں۔ کمال ہے..... آج تو ہاتھ میں لاٹھی بھی نہیں..... رنگ بھی نکھر آیا ہے..... صحت اچھی ہو گئی ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

گل خان کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔ اپنی ہی نظروں میں شرمندہ ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر صاحبہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گی۔

''دیکھیے..... میں آپ سے اس جھوٹ کے لیے معذرت چاہتی ہوں..... لیکن میرے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ میرے اپنے والد بھی آپ کی طرح تنہائی کا شکار ہو گئے تھے۔ بالکل آپ کی طرح کی حالت کر رکھی تھی اپنی اور بالآخر تنہائی میں ہی دنیا سے کوچ کر گئے۔ ہم ان کے ساتھ خوشگوار لمحے کبھی نہ گزار پائے۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔

''آپ کے گھر والے بھی آپ کی بہت فکر کرتے ہیں بہت پیار کرتے ہیں آپ سے..... میں نہیں چاہتی تھی، جس تکلیف کو ہم آج تک محسوس کر رہے ہیں، کل کو وہ بھی اس کا شکار ہوں..... مجھے یہی ایک راستہ نظر آیا۔ آپ کو دوبارہ زندگی کی طرف لوٹانے کا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔''

گل خان ڈاکٹر کی باتوں سے گلنار ہو رہا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بڑھاپے میں اس کے ساتھ یہ کیا ہو گیا۔

''آپ ہمارے محترم بزرگ ہیں، اگر میری اس حرکت سے آپ کا دل دکھا ہو تو میں کان پکڑ کر معافی مانگتی ہوں۔'' ڈاکٹر کو کان پکڑے دیکھ کر گل خان کے بوڑھے مگر خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اب آپ سب بھول جایئے..... لیکن آپ کو اک وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ سیر کرنا بالکل نہیں چھوڑیں گے.....'' ڈاکٹر صاحبہ کی نصیحت پر گل خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن ایک پریشانی ہے۔'' گل خان نے کہا۔

''جی میں جانتی ہوں، یہی کہ ان خطوں کا ذکر میں آپ کے گھر والوں سے نہ کروں.....''

''جی بالکل..... آپ صحیح سمجھیں.....''

''میں بالکل نہیں کروں گی، آپ بے فکر رہیے لیکن اگر آپ نے پھر خود کو کمرے میں قید کر لیا تو مجھے معلوم پڑ جائے گا۔ میرا کلینک آپ کے گھر کے پاس ہی ہے۔ پھر میں سب کو نور افروز کا قصہ سنا دوں گی۔''

ہلکی، ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ڈاکٹر اور مریض دونوں نے مل کر جاندار قہقہہ لگایا۔ موسم مزید سہانا ہو گیا تھا۔

❁❁❁

www.zemtime.com